نشری تقریر

ڈاکٹر اسرار احمد

نوعِ انسانی کا واحد اور آخری سہارا

قرآنِ حکیم

ہر باشعور انسان جانتا ہے کہ انسانی شخصیت دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ ایک فکر اور دوسرے عمل۔ اور ان دونوں کے مابین رابطہ یا LINK کا کام دیتی ہے قوّتِ ارادی، چنانچہ اگر انسان کی فکر درست ہو اور ساتھ ہی قوّتِ ارادی بھی مضبوط ہو تو عمل بھی لازماً درست ہو جائے گا۔ لیکن اگر قوتِ ارادی کمزور اور مضمحل ہو تو فکر اور عمل کا رابطہ بھی کمزور پڑ جائے گا اور فکر کی درستی بھی عمل کی صحت پر منتج نہ ہو سکے گی اور صورت وہ ہو گی جو غالبؔ نے اپنے اس شعر میں بیان کی ہے کہ ؎

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد ۔۔۔ پر طبیعت اِدھر نہیں آتی!

بصورتِ دیگر اگر فکر ہی غلط اور کج ہو تو انسان کا عمل لازماً غلط ہو گا، بالکل اس شعر کے مصداق کہ ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج ۔۔۔ تا ثریّا می رود دیوار کج

یا اس شعر کے مصداق کہ ؎

ترسم کہ بہ کعبہ نہ رسی اے اعرابی ۔۔۔ کیں راہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

ایسی صورت میں قوتِ ارادی کے ضعیف و مضمحل یا توانا و صحت مند ہونے کا اثر صرف کجروی کی رفتار پر ہی پڑ سکتا ہے۔ گویا اس صورت میں انسان کی کمزور قوتِ ارادی اس کے حق میں مآل کار کے اعتبار سے مفید ہی رہے گی کہ غلط راہوں پر اس کی پیش قدمی سُست رفتاری سے ہو گی۔

اب اگر آسمانی وحی سے قطع نظر انسانی فکر کا فی نفسہ جائزہ لیا جائے تو نظر آتا ہے کہ دو چیزیں اس کے لیے تانے بانے کی حیثیت رکھتی ہیں: ایک حواسِ ظاہری سے حاصل شدہ معلومات اور اس کی ترتیب و تدوین اور اس طرح حاصل شدہ SENSE - DATA کی PROCESSING پر

مستزاد استدلال و استنباط جس میں استخراجی منطق (DEDUCTIVE LOGIC) استعمال ہوتی ہے اور دوسرے وہ منطقِ خالص جسے چاہیں تو استقراء (INDUCTION) سے تعبیر کرلیں جو عظیم تر اور وسیع تر حقائق سے نتائج اخذ کرتی ہے اور ایک جامع اور گمبھیر فکر کا ہیولیٰ تیار کرتی ہے۔ اس دوسرے جزو میں لامحالہ کچھ حصہ انسان کے وجدان (INTUTION) کا بھی شامل ہوجاتا ہے۔

اب فکرِ انسانی کے ان دونوں اجزائے ترکیبی کا جائزہ لیا جائے تو ان میں سے پہلا تو نہایت محدود بھی ہے اور مسلسل ترقی پذیر بھی۔ چنانچہ آج سے دو ہزار سال قبل کے انسان کا SENSE - DATA بہت مختصر تھا آج کے انسان کے SENSE-DATA کے وسیع و عریض ذخیرے کے مقابلے میں، تاہم آج بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کامل ہوگیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آج سے چند سو سال بعد کا انسان آج کے انسان کے ذخیرۂ معلومات پر زہرِ خند کے ساتھ تحقیر آمیز تبصرہ کرے۔ رہا جزوِ ثانی تو وہ اگرچہ بظاہر پہلے کی نسبت وسیع تر ہے اور کسی قدر آزاد فضاؤں میں جولانیاں دکھاتا نظر آتا ہے، تاہم ذرا دقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنی اصل کے اعتبار سے پہلے ہی سے بندھا ہوا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ فکرِ انسانی فی نفسہٖ کبھی بھی کامل نہیں ہوسکتی اور محض اس پر مبنی عمل لامحالہ محدود بھی رہے گا اور کج ہونے کے خطرہ سے بھی کبھی بالکلیہ آزاد نہ ہوسکے گا۔ اور اجتماعی سطح پر اس کے نتیجے میں انسان کے حصہ میں یا TRIAL & ERROR کی ٹامک ٹوئیاں آئیں گی EXTREMES یعنی افراط و تفریط کے دھکے۔

کامل فکر تو ظاہر ہے کہ صرف اُس ہستی کا ہوسکتا ہے جس کا علم کامل ہو اور نہ صرف ظاہر و باطن اور غیب و شہود سب پر حاوی ہو بلکہ ماضی، حال اور مستقبل یعنی 'ماکان' اور 'مایکون' سب کا احاطہ کیے ہوئے ہو۔ پھر اس علمِ کامل پر مستزاد اس کی حکمت بھی ہر پہلو سے کامل ہو۔ ایسی ہستی ظاہر ہے کہ صرف ایک ہی ہوسکتی ہے۔ اور وہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ جو "عالم الغیب والشہادۃ" بھی ہے اور "بکلِّ شیءٍ علیم" بھی۔ اور ساتھ ہی حکمتِ کاملہ و بالغہ سے بھی متصف ہے۔ گویا فکرِ انسانی ہمیشہ محتاج رہے گی اُس ہستی کامل العلم والحکمۃ کی رہنمائی کی، جسے قرآنی اصطلاح میں "ہدایت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگر ہم سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع کے مضامین پر غور کریں جو فلسفہ و حکمت قرآنی کی اساسات کی تعیین میں منفرد اہمیت کا حامل ہے تو یہ دلچسپ صورت نظر آتی ہے کہ فرشتوں کی جانب سے پیش شدہ اشکال کو رفع کرنے کے ضمن میں آدم کے خلافتِ ارضی کی اہلیت کی دلیل کے طور پر تو پیش کیا گیا "علم الاسماء" کو۔ اور پھر جب آخر میں پروانۂ خلافت کے ساتھ اترنے اور بالفعل زمین کا چارج لینے کا حکم دیا گیا تو ساتھ ہی اس چارٹر کا اعلان بھی کر دیا گیا کہ:

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ٥ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ٥

یعنی "پھر جب بھی میری جانب سے تمہارے لیے ہدایت پہنچے تو جو اس کی پیروی کرے گا اس پر نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ رنج و غم سے دوچار ہوں گے۔ اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے تو وہ ہوں گے آگ والے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے"

اب ظاہر ہے کہ "علم الاسماء" سے مراد ہیں مادی اور طبعی علوم جو بالقوہ یعنی POTENTIALLY ودیعت کر دیئے گئے تھے آدم کی سرشت میں اور جن کا ظہور یا EXFOLIATION، ہے کل کا کل سائنسی اور تکنیکی علم۔ اور سلسلۂ ہدایت سے مراد ہے سلسلۂ وحی، سلسلۂ انبیاء و رسل اور سلسلۂ کتبِ سماویہ۔ جس کی آخری اور کامل کڑی ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن حکیم۔ بقولِ علامہ اقبال مرحوم و مغفور۔

نوعِ انساں را پیامِ آخریں — حاملِ اُو رحمۃٌ للعٰلمین

قرآن حکیم نے سورۃ المائدہ میں تورات اور انجیل دونوں کے بارے میں فرمایا ہے: "فیہِ ھُدًی و نورٌ" یعنی ان میں ہدایت بھی تھی اور روشنی بھی لیکن قرآن اپنے آپ کو تعبیر فرماتا ہے۔ "الھُدیٰ" اور "النور" کے الفاظ سے یعنی ہدایتِ کاملہ اور نورِ کامل۔ اس میں اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ جب تک انسان بحیثیتِ مجموعی، عقلی اور شعوری اعتبار سے بلوغ کو نہ پہنچا تھا اسے درمیانی عرصے یعنی INTERIM PERIOD کے لیے ہدایات یعنی COMMANDMENTS دی جاتی رہیں لیکن جب نسلِ آدم عقلی اور شعوری اعتبار سے سنِ شعور

کو پہنچ گئی بقول علامہ اقبال ع "جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر!" تو اسے آخری اور کامل ہدایت نامہ دے دیا گیا اور وہ ہے ہدایتِ کاملہ یعنی "الھدیٰ" اور نورِ کامل یعنی "النور"۔ یہی وجہ ہے کہ بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے کل چھ سو سال قبل حضرت مسیح علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے حواریین سے یہ فرماتے نظر آتے ہیں کہ "مجھے ابھی تم سے اور بہت کچھ کہنا تھا، لیکن ابھی تم اس کا تحمل نہیں کر سکو گے۔ البتہ میرے بعد جو آئینگے وہ تمہیں ساری باتیں بتا دیں گے!" —— چنانچہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپؐ نے قرآن پیش کیا تو اس دعویٰ کے ساتھ کہ:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (یونس: ۳۷)

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (یوسف: ۱۱۱)

یعنی۔ یہ قرآن ایسی کتاب ہے ہی نہیں جسے اللہ کے سوا کوئی اور تصنیف کر سکے۔ بلکہ یہ تو ایک جانب سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے اور دوسری جانب ان پیشینگوئیوں کی مصداق بن کر آئی ہے جو ان میں وارد ہوتی تھیں۔ اور اس میں کتاب و شریعت کی کل تفصیل درج ہے اور یہ اہل ایمان کے حق میں ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی!

گویا اب تا قیامِ قیامت فکرِ انسانی کو زیغ اور کجی سے بچانے کے لیے واحد سہارا قرآنِ حکیم ہے۔ واضح رہے کہ قرآن اپنے آپ کو "الذکر" بھی قرار دیتا ہے۔ اس اعتبار سے علامہ اقبال مرحوم و مغفور کے یہ اشعار بہت قابلِ توجہ ہیں:

جز بہ قرآں ضیغمی روباہی است ۔۔۔ فقرِ قرآں اصل شاہنشاہی است
فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر ۔۔۔ فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر!

یعنی فکرِ انسانی اس وقت تک صحیح رُخ پر آگے نہیں بڑھ سکتی جب تک کہ وہ "الذکر" یعنی قرآنِ حکیم سے مسلسل رہنمائی نہ لیتی رہے!